eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

ڈاکٹر طیبہ نگہت
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج وویمن یونیورسٹی، فیصل آباد
ڈاکٹر افشین شوکت
وزٹنگ لیکچرار، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی فیصل آباد

Dr Tayyaba Nighat
Assistant Professor, Department of Urdu, Govt. College Women University, Faisalabad
Dr Afsheen Shaukat
Lecturer (V), Department of Urdu, Govt. College Women University, Faisalabad

مقطعوں کی روشنی میں احمد ندیم قاسمی کے ذہنی رجحانات

AHMED NADEEM QASMI'S MENTAL TENDENCIES In The Light of his Muqtas

DOI: https://doi.org/10.56276/tasdiq.v4i01.51

ABSTRACT

Ahmed Nadeem was acclaimed high pedestal of fame in modern Urdu poetry especially, his ghazal attracted numerous readers and critics. In ghazal poetry, the last couplet (Maqta) carries immense importance. In Ahmed Nadeem Qasmi's art of ghazal, one may observe the beautiful end couplet (Maqta) having variegated subjects and thought processes. His *Maqta* expresses his intellectual inclinations and aptness in a specific style. This research article strives to explore his diversity of thoughts and intellectual briefly. We read that his Maqta embraces a vast array of topics of various subjects such as existentialism, the concept of God, certainty and uncertainty of faith, empiricism and humanism. In his Maqta, one may come across a new world of meanings, the world of love, hate, meeting and departure of lover and beloved, and the agony of knowledge and ignorance. The helplessness of man to acquaint with life and its upheavals and his countering strategies.

KEYWORDS
High pedestal, Variegated, Intellectual inclinations, Diversity of thoughts, Existentialism, Concept of God, Empiricism, Humanism

Received: 16-Nov-21
Accepted: 10-Jun-22
Online: 30-Jun-22

کلیدی الفاظ: اعلیٰ مقام، متنوع، فکری رجحانات، فکری تنوع، وجودیت، تصویر الٰہی، سامراجیت، انسانیت

احمد ندیم قاسمی شعر و ادب کے ایک عہد کا نام ہے۔ انہوں نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ احمد ندیم قاسمی انتہائی زندہ تخلیقی روایات کا حامل شاعر ہے، جس نے ہر سطحِ فکر کے حوالے سے بہت کچھ تخلیق کیا ہے۔ وہ ایک انتہائی خلاق ذہن کے مالک شاعر کے طور پر نظر آتا ہے۔ ان کی غزلیں، نظمیں، افسانے اور ان کی نثر ان کے ذہنی رجحانات کا پتہ دیتی ہے۔ ترقی پسند ہونے کے ساتھ ساتھ وہ روایت کے ساتھ جڑے ہوئے تخلیق کار ہیں اور مجموعہ طور پر تہذیب و تمدن کے انتہائی معتدل دائرے میں رہنے کے روادار ہیں۔ اگر ہم صِرف ان کی غزلوں کے مقطعوں کی روشنی میں ان کے ذہنی اور فکری رجحانات کا سراغ لگائیں تو ان کی فکر کے کئی نئے روزن کھلیں گے۔ احمد ندیم قاسمی کی غزلیں جس طرح سے موضوعاتی تکثیریت کی حامل ہیں، اسی طرح ان کے مقطعے بھی ان کے مختلف ذہنی رجحانات کی عکاسی کرتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی کے مقطعوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں موضوعات کا ایک جہانِ وسیع آباد ہے۔ ان میں ندیمؔ کا تصورِ کائنات و موجودات، خدا کا عرفان، اپنی ذات کا عرفان، شاعرانہ تعلی، تلخیئ ایام کا گلہ، مذہبی موضوعات، نعتیہ موضوعات، حمد کے موضوعات، انسان سے محبت کا موضوع، خود آگہی اور آگہی کا کرب، حسن و عشق کا بیان، نئے زمانے کے طور طریقے، فنا اور بقا کا تصور، ہجر و وصال کا موضوع، موسموں کے کم و کیف کے ساتھ جذباتی الحاقات کا موضوع، موت اور تقدیر کے موضوعات شامل ہیں۔

ذات باری تعالیٰ کے بارے میں ہر شاعر کی شاعری میں اپنے اپنے نظریات اور خیالات ملتے ہیں، جن سے خدا کے بارے میں ان کے ذہنی رجحانات کی عکاسی ہوتی ہے۔ احمد ندیم قاسمی کے مقطعوں میں بھی کائنات اور خدا کے متعلق ان کے ذہنی رجحانات کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اس بارے میں بحیثیت مسلمان وہ حق الیقین کے مرتبے پر فائز نظر آتے ہیں۔ ان کے ہاں کسی قسم کی فلسفیانہ تشکیک دکھائی نہیں دیتی۔ ذاتِ باری تعالیٰ کا سفر عرفان اپنی ذات سے شروع کرتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس وسیع و عریض کائنات میں اگر انسان کا فقط کوئی سہارا ہے تو وہ خدا ہی ہے۔ یہ کائنات اور اس میں پائے جانے والے تمام موجودات اس کے ہونے کی دلیل ہیں۔ اگر خدا نہ ہو تو انسان بے سہارا اور بے یار و مددگار ہو کر رہ جائے۔ اس لیے احمد ندیم قاسمی کہتا ہے کہ اگر کائنات میں اس کا کوئی ہے تو وہ صرف اللہ ہی ہے۔ اور اگر وہ نہ ہوتا تو پھر نجانے اپنے خالق کے بارے میں کس قسم کے ذہنی مخمصے میں مبتلا ہو جاتا۔ لہٰذا وجودِ باری تعالیٰ کے باب میں وہ نہایت واضح خیالات کا حامل ہے۔ یہ اشعار اسی نکتہئ نظر سے ملاحظہ کریں:

میرا کوئی بھی نہیں کائنات بھر میں ندیمؔ
اگر خدا بھی نہ ہوتا تو میں کدھر جاتا(۱)

اسی طرح وہ خدا کے عرفان ہی سے اپنے وجود کی تکمیل ممکن الحصول محسوس کرتے ہیں کیونکہ اس کی ذات کے عرفان کے بغیر انسان کی ذات اسی طرح نامکمل ہے جس طرح سورج اپنی روشنی کے بغیر اور ماہی پانی کے بغیر نامکمل ہے۔ جب خدا کی ذات کو انسان اپنے اندر موجود پاتا ہے تو گویا وہ اپنی ذات کو تلاش کر لیتا ہے۔ پروفیسر قیصر نجفی رقم طراز ہیں:

"وہ انسان، زندگی اور کائنات کو ان کے فطری ربط و انسلاک باہمی کے تناظر میں رکھتے ہیں۔۔۔۔ اور ان کے ہر مشاہدے میں خداداد بصارت اور بصیرت کے تعمیق کا احساس ہوتا ہے۔ وہ حیرت انگیز حد تک انسان کی نفسیات، زندگی کے رموز اور کائنات کے مزاج سے واقف تھے۔"(۲)

احمد ندیم قاسمی نے اپنے مقطعوں میں ایک الگ طرح سے اپنے ذہنی رجحان کو ظاہر کیا ہے۔ وہ اس طرح کہ شاعر خدا کے ملنے کے بعد ایک ٹھہراؤ کی کیفیت محسوس کرتا ہے اور اس کے بعد خود اپنی تلاش میں نکلتا ہے۔ جبکہ تسلیم شدہ اصول یہ ہے کہ انسان اپنی ذات کی آگہی کے بعد خدا کے عرفان کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ یہاں پر احمد ندیم قاسمی نے روایتی تصور سے ہٹ کر اپنی ذات کی آگہی کے بعد خدا کی آگہی کی طرف بڑھنے کے بجائے عرفانِ خدا کے بعد خود آگہی اور وجدانی ادراک کی طرف سفر کرنے کا رجحان ظاہر کیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ مقطع دیکھیں:

خدا ملا تو ہوئی جستجو تمام ندیم
سو گئے کیا کہ اب اپنی تلاش میں نکلو ں (۳)

عرفان کی اسی عدم تکمیل ہی کا نتیجہ ہے کہ وہ یومِ الست کو پوچھے گئے سوال کے جواب میں خدا کا منتظر نظر آتا ہے۔ وہ دیکھ رہا ہے کہ خداوند نے اس کے لیے جواب میں جو مقسوم لکھا ہے اس کی نوعیت کیا ہے اور کیا اسرار و رموز اس میں پوشیدہ ہیں

پوچھا تھا ایک سوال ازل میں ندیم نے
اب تک اسے طلب ہے خدا سے جواب کی(۴)

ان اشعار سے احمد ندیم قاسمی کے عرفان ذات باری تعالیٰ کے رجحان کا علم ہوتا ہے۔ اس معاملے میں وہ عشق کو ایک وسیلے کے طور پر دیکھتے ہیں اور عشق کے بارے میں بھی روایتی تصور سے انحراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ عشق کو ہوسِ جسم کے بر عکس الہام کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ ان کے مقطع میں اس امر کی بطور خاص نشاندہی کی گئی اشعار ملاحظہ:

عشق اگر کچھ بھی نہیں جرز ہوس جسم ندیم
اس نے الہام میرے دل میں اتارا کیوں ہیں (۵)

خدا کے نور کو چھوکر یہ سوچتا ہوں ندیم
کہاں کہاں مجھے لائی میرے خیال کی رو (۶)

گروہ مری دعا ہے،تو پوری بھی ہو ندیمؔ
گر وہ مرا خدا ہے تو پھرنارسا نہ ہو(۷)

گویا ان کے ہاں عشق باطنی علوم کے حصول کا وسیلہ ہے اور علم الہام کی صورت میں عاشق کے دل پر منکشف ہوتا رہتا ہے اور جب وہ عشق میں مبتلا ہو جائے تو گویا الہام اس کے مدراکات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اسی لیے ندیمؔ آپنے حواس اور مدرکات کی سطح پر ذاتِ باری تعالیٰ کو نارسا ہونے دکھ ظاہر کرتا ہے۔ وہ اپنی ذات کے لئے سہاروں کی اگر کوئی بیساکھی تلاش کرتا ہے تو وہ صرف خُدا کی ذات ہی ہے۔ وہ ازل تا ابد اسی کی ہمسفری اختیار کرنے کا روادار ہے۔ مثال کے طور پر یہ شعر ملاحظہ ہو:

تنہا ہے تا بہ ابد میرا دشتِ تنہائی
ندیمؔ اب تو میرا ہمسفر خُدا ہو جائے(۸)

قطرے میں سمندر کو ڈبونا اور دریا کو کوزے میں بند کرنا ایسے مواقع پر کہا جاتا ہے جب کوئی تخلیق کار اپنی تخلیق میں معجزانہ ایجاز واختصار کو پیش کر کے قاری کو خوش گوار حیرت میں مبتلا کر دے۔ لیکن احمد ندیم قاسمی نے آپ نے اس نفسی رجحان کی ذیل کے مقطعے میں یوں نشاندہی کی ہے کہ اس کی طبیعت اور اس کے مزاج میں سمندر میں قطرے کو مدغم کرنا نہیں معلوم ہوتا بلکہ قطرے میں سمندر کو ڈبو دینا ہے۔ اسی باطنی ادراک کو اس نے تصوف کا نام دیا ہے۔ تصوف باطنی علوم کے مجموعی ادراک کا نام ہے، لیکن احمد ندیم قاسمی نے جہاں آج کل کے نئے طرزِ تصوف کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے، وہاں تصوف کے متعلق اپنا نکتۂ نظر بھی واضح کیا ہے:

اس زمانے کا عجب طرز تصوف ہے ندیمؔ
کہ میں قطرے میں سمندر کو ڈبونا چاہتا ہوں (۹)

انسان جب سے اس زمین پر آیا ہے، فنا کا خوف اس کو دامن گیر رہا ہے اور وہ موت سے ہزار ہا کوششوں کے باوجود بچ نہیں سکا۔ انسان نے موت کے کڑوے تجربے سے زیادہ بھیانک اور کوئی شئے نہیں دیکھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شاعر، فلسفی اور ادیب نے زندگی اور موت کے باہمی رشتوں کو اپنی فکر اور سوچ کے مطابق دریافت کرنے کی کوشش کی ہے۔ احمد ندیم قاسمی کا موت کے متعلق نظریہ عمومی نظریات سے مختلف ہے اور وہ موت کو مکمل یا جزوی فنا نہیں تسلیم کرتا۔ ان کی غزلوں کے بعض مقطعے ان کے اس ذہنی رجحان کی عکاسی کرتے ہیں۔ موت کو جو لوگ فنا کا نام دیتے ہیں وہ دراصل احمد ندین قاسمی کے مطابق نابلد لوگ ہیں کیونکہ مادہ کبھی فنا نہیں ہوتا اور مسلسل شکلیں بدلتا رہتا ہے۔ احمد ندیم قاسمی یہاں مادے کا سائنسی تصور پیش کرتا ہے اور "Matter cannot be destroyed" کے سائنسی نظریے کی رو سے انسان کے مرنے کے بعد زمین کے نامیاتی اجزا میں تبدیل ہو کر دوبارہ رکسی مادے کی کسی اور شکل میں نمودار ہونے کا قائل ہے۔ لہٰذا مادہ اس طرح سے مسلسل گردش میں رہتا ہے اور احمد ندیم قاسمی تو زندگی کو بھی اسی گردش کا راز بتاتا ہے کیونکہ زندگی کو توانائی بخشنے کا یہی ایک طریقہ ہے:

سمجھ سکا ہوں زیست کا یہ مفہوم ندیم
گردش پیہم میں ہے راز توانائی(۱۰)

سبزہ جب قبر سے نکلتا ہے تو اس میں مردے کے تحلیل شدہ نامیاتی عناصر کی تاثیر بھی ہوتی ہے۔ گویا انسان مٹی کی خوراک بننے کے بعد مادے کی ایک اور صورت میں واپس آتا ہے۔ یہی فطرت کا وہ عمل ہے جسے سائنس "Decomposition" کا نام دیتی ہے۔ احمد ندیم قاسمی وجود کے اسی تحلیل ہونے کو اور دوبارہ خاکِ لحد سے نکلنے کو اپنے مقطعوں میں بیان کرتے ہیں:

موت کو اپنی نا فہمی میں دے جو فنا کا نام ندیم
خاکِ لحد سے سبزہ پھوٹے اور اعلانِ ثبات کرے(۱۱)
قبر میں اپنا جسم بو کے ندیم
تا ابد پھولتا ہوں پھلتا ہوں(۱۲)

تخلیقِ مکرر کا زیادہ تر تصور احمد ندیم قاسمی کے مقطعوں ہی میں ملتا ہے۔ وہ فنا کے خوف سے لحد سے مکرر نکلنے کی بات نہیں کرتے بلکہ ان کا رجحان سائنسی اور ان کا نکتہ نظر استدلال کا حامل ہے جسے سائنسی شعور رکھنے والا طبقہ آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ یہ آواگون سے بالکل مختلف ہے۔ یہ مظاہر کائنات کی شکست وریخت اور تخریب سے تعمیر کے عمل کا مشاہداتی ادراک ہے جو شعر کے قالبوں میں ڈھل کر حیرت آثار طور پر ہماری سماعتوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ یہ مقطع بھی اسی فکر کا نمائندہ ہے، ملاحظہ کیجیے:

اپنی فنا سے مجھ کو بلا کی ضد ہے ندیمؔ
سبزہ بن کر اپنی لحد سے نکلا ہوں (۱۳)

احمد ندیم قاسمی کے ہاں انسان سے محبت کا رجحان اس کی دیگر تخلیقات میں بھی ملتا ہے۔ انسان سے محبت اور انسانیت اس کا ایمان ہے اور اسے سب پر مقدم سمجھنا ندیم کے ہاں اولین اعتقاد کا درجہ رکھتا ہے۔ انسان سے محبت کرنے، رواداری، یگانگت اور باہمی تعاون اختیار کرنے کے رجحانات ان کے مقطعوں کی روشنی میں ملاحظہ کیجیے:

نوع انسان کی سہولت ہے ندیمؔ
دور رہتا ہے خدا اور بشر دور نہیں (۱۴)

انسان سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مذاہب کے ماننے والوں سے یکساں محبت کی جائے اور اس ضمن میں کسی قسم کا فرق روا نہ رکھا جائے۔ یہ عبادت ہے اور یہی دین وایمان ہے۔ ناہید قاسمی لکھتی ہیں:

"ندیم کی امید، حسب معمول زندہ اور توانا ہے، اور توقع، سلامت ہے۔ اسی لیے امکان قائم وبرقرار ہے۔ بہرحال ان کا تصور انسانو انسانیت توقعات انسانی اور عالمگیر بھلائی سے معمور ہے۔"(۱۵)

احمد ندیم قاسمی نے انسان کی محبت کو ضمیر کی آواز قرار دیا ہے۔ ان کے مقطعے اسی ذہنی رجحان کی عکاسی کرتے ہیں اور ان کی امن پسند طبیعت کا مظہر معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا محبت پسند مزاج انھیں کسی سے نفرت نہیں کرنے دیتا اور وہ سراپا محبت نظر آتے ہیں۔ یہ اشعار انھی افکار کی روشنی میں پیشِ خدمت ہیں:

آبلے پھوٹتے ہی پھول کھل اٹھتے ہیں ندیمؔ
ہم تو بے حرمتی دامن صحرا نہ کریں (۱۶)

ہم تو وہ دشت نورد انِ محبت ہیں ندیمؔ
ایک ہی گل سے دو عالم کو معطر دیکھیں (۱۷)

دوسری اہم بات یہ ہے کہ ان کے ہاں انسان کی عظمت کا تصور سائنسی شعور کا حامل ہے اور انسان کی موجودہ ترقی کی برق رفتاری اور کائنات کی تسخیر میں انسان کے کردار کی عظمت کو سراہتے ہیں۔ ان کا ذہن انسان کی موجودہ سائنسی ترقی کا مخالف نہیں بلکہ ہم نوا ہے۔ وہ زمین پر حضرتِ انسان کی جوہر آفرینیوں، سائنسی ایجادات اور دریافتوں سے آسمانوں کی تسخیر ممکن الوقوع

ہوتی ہوئی دیکھتے ہیں:

زمیں پر حضرتِ انساں کی جوہر آفرینی سے
ندیمؔ اب آسماں کو بھی ضرورت ہے سہاروں کی(۱۸)

انسان کی بے حرمتی تو کجا، وہ دامنِ صحرا میں رہنے کے آداب کا پاس رکھنے والے شاعر ہیں۔ ندیمؔ کے مقطعوں کی روشنی میں ان کے ایسے فکری میلانات کا بھی علم ہو جاتا ہے جو کسی غزل، نظم یا افسانے کے مطالعے سے نہیں ہوتا۔ مقطع چونکہ غزل کا اختتامیہ ہوتا ہے، اسی لیے مقطع میں شاعر کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ کوئی اچھوتا خیال کرے۔ ایسی صورت میں مقطع کی قدر و قیمت دیگر مفرد اشعار سے بڑھ جاتی ہے اور کسی شاعر کے ذہنی رجحانات کا اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کے مقطعوں کے مطالعے سے جو موضوع کثرت کے ساتھ ملتے ہیں ان کے تجزیے سے احمد ندیم قاسمی کی امن پسند طبیعت کا رنگ صاف جھلکتا ہے اور ایسی ذہنیت رکھنے والے انسان ہیں جو انسان کو محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جنگ و جدل سے نفرت اور امن سے محبت کرنا باشعور انسان ہونے کی علامت ہے۔ اسی لیے احمد ندیم قاسمی کہتے ہیں کہ جب تک دارا اور سکندر جیسے فتوحات کے خبط میں مبتلا اور قتل و غارت گری کے شوقین حکمرانوں کا خاتمہ نہیں ہو جاتا، اُس وقت تک دنیا دنیا کو امن کا عہد نصیب نہیں ہو گا:

امن کا عہد تب آئے گا ندیمؔ
جب نہ دارا نہ سکندر ہو گا (۱۹)

وہ اس قدر حساس شاعر ہے کہ تصویرِ بہار میں رنگ بھرتے ہوئے اسے جب شاخ سے ٹوٹے پتوں کی پایابی کا خیال آتا ہے تو اس کے تخلیقی کینوس پر اداسی کا رنگ چھا جاتا ہے اور خزاں رسیدہ پتوں پر اس کے دل میں رحم کے جذبات ابھرتے ہیں۔ ذیل کے مقطعے میں ان کے حساس پسند رجحان کو دیکھا جا سکتا ہے:

جب بھی تصویر بہاراں میں بھروں رنگ ندیمؔ
شاخ سے ٹوٹتے پتوں کا خیال آتا ہے(۲۰)

جس طرح غزل رنگا رنگ قسم کے موضوعات کی حامل ہوتی ہے اور اس میں موضوعاتی تکثیریت موجود ہوتی ہے بالکل اسی طرح کسی شاعر کی غزل کے مقطعوں میں بھی مختلف موضوعات کو پیش کیا جاتا ہے جو اس کے ذہنی رجحانات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ندیمؔ کے ہاں دوسرے شعرا کی طرح مقطعوں میں روایتی مضامین بھی بیان ہوئے ہیں لیکن یہ روایتی مضامین اپنے اسلوبِ بیان کے حوالے سے اس قدر دل آویز ہیں کہ روایت اور جدت کا حسین امتزاج معلوم ہوتے ہیں۔ حسن و عشق کے متعلق ان کے ذہنی میلانات درج ذیل مقطعوں میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں:

ندیمؔ اب اک قصیدہ اس گروہِ حسن کاراں کا
فسانے تو بہت لکھے ہیں تو نے گاؤں والوں کے(۲۱)

نکہت ورنگ کا پیاسا تھا ندیمؔ
صرف ایک لمسِ ہوا کیا کرتا (۲۲)

سفر عشق میں گر دشت سلگتے ہیں ندیم
اہل دل کے لیے یہ فرش ہیں بانعتوں کی (۲۳)

ہجر سے موسوم کر لیں اپنی کوتاہی ندیم
اور بھلا سا نام اس کو دے دیا تقدیر کا(۲۴)

وہ رتوں کے ساتھ بدلتے رجحان رکھنے والا شاعر ہے۔ خزاں رسیدہ رُتوں میں ندیمؔ کے اندر کی کائنات وسیع ہوتی ہے اور اس کی فکر نئے برگ وبار سے ثمر بار ہو جاتی ہے۔ آندھیوں سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ اور عزم ان میں ہمیشہ جوان رہتا ہے:

رتوں کے جبر سے آزاد ہو چکا ہوں ندیمؔ
خزاں میں پھولتا ہوں آندھیوں میں پھلتا ہوں (۲۵)

ندیمؔ کے ہاں زندگی کے ہر معاملے میں برداشت کا رویہ اختیار کرنے کا رجحان ملتا ہے۔ وہ مصائب پر عام شعرا کے بر عکس بلبلا نہیں اُٹھتے بلکہ عشق کے میدان میں، ہجر و وصال میں، روزمرہ کے مسائل میں، معاشی معاملات میں، اپنی ذات کے کرب میں، احباب کی بے اعتنائی اور بے وفائی کی اذیت میں اور دیگر مواقع پر متحمل مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان کے مقطعے ان کی متحمل مزاج شخصیت کا واضح ثبوت ہیں:

عشق کرتا ہے زہر خند ندیمؔ
جب بھی احساسِ نام و ننگ کروں (۲۶)

ندیمؔ احباب نے جتنا کریدا
مرا غم اور بھی محکم ہوا(۲۷)

اسی طرح احمد ندیمؔ قاسمی کے مقطعوں کی روشنی میں ان کی شخصیت کے کئی رجحانات پتہ چلتے ہیں۔ متحمل مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ وہ رجائیت پسند بھی ہیں۔ سخت مشکل حالات میں بھی ان کا رشتہ امید و بیم کے ساتھ قائم ودائم رہتا ہے۔ امید کے ساتھ اسی ازلی وابدی تعلق کا رجحان ان کے مقطعوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ امید و بیم اور رجائیت کا فلسفہ اگرچہ بہت سے اور اردو شعرا کے ہاں بھی موجود ہے لیکن ندیمؔ کے مقطعوں میں ان کی خاص قسم کی ذہنی کیفیت کی عکاسی کرتا ہے۔ چند ایک مثالیں اس ضمن میں ملاحظہ ہوں:

کبھی خورشیدِ قیامت بھی تو نکلے گا ندیمؔ
دھوپ سے ڈرتے ہیں سائے میں چلنے والے(۲۸)

احمد ندیمؔ قاسمی اداسی کے کم و کیف میں بھی پُر امید نظر آتے ہیں۔ ان کے مقطعوں کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ وہ ایک رجائیت پسند شاعر ہے اور زندگی کو نہ صرف امید و رَجا کی نظر سے دیکھتا ہے بلکہ اس کے ہاں موت بھی مکمل

فنا کے تصور کی شکل میں نہیں ہے۔ ان کے مقطعوں میں موت اور فنا کے بعد بھی حیاتِ نو کا امید افزا نظریہ پیش کیا جاتا ہے۔ ان کے مقطعے ان کے ہمہ رنگ ذہنی رجحانات کی عکاسی کرتے ہیں اور قاری ایک نئے نکتۂ نظر سے ان کی شاعرانہ شخصیت اور نفسی میلانات کی بازیافت کرتا ہے۔

حوالہ جات

1. احمد ندیم قاسمی: دوام، اساطیر، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۴۴
2. قیصر نجفی، پروفیسر، "ایک بڑا انسان۔ ایک بڑا تخلیق کار"، مشمولہ، موتناج، سہ ماہی شمارہ ۱، جنوری تا اپریل ۲۰۰۷ ص ۲۷۱
3. ایضاً، ص ۲۹
4. ایضاً، ص ۲۶
5. ایضاً، ص ۱۲
6. ایضاً، ص ۴۸
7. احمد ندیم قاسمی: لوحِ خاک، اساطیر، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۱۰۴
8. ایضاً، ص ۴۶
9. احمد ندیم قاسمی: دوام، اساطیر، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۱۵
10. ایضاً، ص ۴۶
11. ایضاً، ص ۴۶
12. ایضاً، ص ۲۲
13. احمد ندیم قاسمی: لوحِ خاک، اساطیر، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۱۰۸
14. احمد ندیم قاسمی: دوام، اساطیر، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۶۲
15. ناہید قاسمی، ڈاکٹر، ندیم کی غزلوں کا تجزیاتی مطالعہ، سنگ میل پبلیشرز لاہور، ۲۰۰۲، ص ۲۰۷
16. ایضاً، ص ۳۶
17. ایضاً، ص ۶
18. احمد ندیم قاسمی: لوحِ خاک، اساطیر، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۹۲
19. ایضاً، ص ۳۴
20. ایضاً، ص ۲۰
21. احمد ندیم قاسمی: دوام، اساطیر، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۵
22. ایضاً، ص ۱۰

23. ایضاً، ص ۳۲
24. ایضاً، ص ۱۸
25. ایضاً، ص ۴۶
26. احمد ندیم قاسمی: لوحِ خاک، اساطیر، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۸۸
27. ایضاً، ص ۸۸
28. ایضاً، ص ۶۴